

تفسير احمد

سُورَةُ الضُّحَىٰ

Ketabton.com

جزء - 30

سوره «الضحى» کا تفسیر و ترجمہ

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانى »

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورة الضحیٰ

جزء ۳۰

سورة الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اس کی گیارہ آیتیں ہیں

وجه تسمیہ:

اس سورت کو «ضُحیٰ» کہا گیا ہے کیونکہ اس کا ابتدائی لفظ «وَالضُّحٰی» ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے «ضُحیٰ» کی قسم کھائی ہے جو کہ دن کا آغاز ہے، روشنی کے اس اہم وقت کی طرف توجہ دلانے کے لیے قسم کھائی ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ سورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھی جو کہ خالص نور تھے۔

امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: سورہ ضحیٰ کے آخر میں اور اس کے بعد والی تمام سورتوں کے اختتام پر "اللہ اکبر" کہنا یا "اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھنا سنت ہے، مفسرین اس تکبیر کے کہنے کے موقع پر ذکر کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے میں کچھ مدت تک تاخیر ہوئی، پھر فرشتہ نے آکر آپ کو سورة الضحیٰ پوری پڑھ کر سنائی تو آپ نے خوشی اور مسرت سے "اللہ اکبر" کہی، لیکن ابن کثیر کہتے ہیں: یہ روایت ایسی اسناد نہیں رکھتی جس کی بناء پر صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا جاسکے۔

سورة الضحیٰ اور سورة الیل کے درمیان ربط و مناسبت

چونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ لیل کا اس طرح اختتام فرمایا کہ سب سے متقی آدمی کو اس قدر اجر و ثواب دیا جائے گا کہ وہ راضی ہو جائے گا تو سورة الضحیٰ کا آغاز فرمایا اپنے نبی کو خوش کرنے کے لیے ان انعامات کے ذریعے جو قیامت کے دن عزت اور مقام و مرتبہ ان کو عطا کریں گے۔

سورة الضحیٰ کے الفاظ، حروف اور آیات کی تعداد

سورة الضحیٰ مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔

سورة الضحیٰ مکی سورتوں میں سے ہے جس کا ایک (۱) رکوع، گیارہ (۱۱) آیتیں، چالیس (۴۰) الفاظ، ایک سو چیاستھ (۱۶۶) حروف اور اڑسٹھ (۶۸) نقطے ہیں۔

(واضح رہے کہ سورتوں کے حروف کی تعداد میں علماء کے اقوال مختلف ہیں اس بحث کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے سورہ "طور" تفسیر احمد کی

طرف رجوع کریں)

یہ سورہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے منقطع ہوا، ایک طرف وحی کا عارضی تعطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اضطراب اور پریشانی کا باعث بنا اور آپؐ نہیں جانتے تھے کہ آپ پر وحی میں کیوں خلل پڑا ہے، اور یہ سوچتے اور پریشان ہوکے کہ کہیں ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس کا مہربان رب ان سے ناراض ہوا یا اس کے علاوہ کوئی وجہ تھی؟

دوسری طرف دشمنوں میں وسیع پروپیگنڈہ جاری تھا اور انہوں نے اپنے پروپیگنڈے میں کہا: وہ خدا جس کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے تعلق کا دعویٰ کیا تھا، اس خدانے اسے تنہا چھوڑ دیا، اس سے رابطہ منقطع کر دیا، یہ خدا جس سے نبی نے تعلق ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہ خدا نہیں تھا بلکہ ایک جن تھا جس نے نبی کو وسوسے کر کے (نعوذ باللہ) فتنہ میں ڈالا، اور وہ اسے وحی الہی سمجھتا تھا تو اس جن نے اس سے رشتہ توڑ دیا ہے، اس اضطراب اور پریشانی اور دشمن کے شدید پروپیگنڈے کے درمیان یہ سورت نازل ہوئی جس کے دوران ہمارے رب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ کو دشمن سمجھا ہے، بلکہ وحی کی عارضی رکاوٹ میں لامحدود حکمت مضمحل ہے، جس طرح دن کی شدید گرمی کے بعد رات کا آنا مضمحل ہے۔

سورۃ الضحیٰ کا سبب نزول

سورۃ الضحیٰ کے سبب نزول کے بارے میں عالم اسلام کے مشہور دانشور مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں؛ بخاری و مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے اور ترمذی نے حضرت جندب سے یہ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اس سے خون جاری ہوا، آپ نے فرمایا: (ان انت الاصبیح دمیت وفي سبیل اللہ مالقیث) یعنی: تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوگئی اور جو کچھ تکلیف تجھے پہنچی وہ اللہ کی راہ میں ہے (اس لیے کیا غم ہے) حضرت جندب نے یہ واقعہ ذکر کر کے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد (کچھ روز) جبرئیل امین کوئی وحی لے کر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا، اس پر یہ سورت ضحیٰ نازل ہوئی۔

حضرت جندب کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ایک دو رات تہجد کے لیے نہ اٹھنے کا ذکر ہے، وحی میں تاخیر کا ذکر نہیں، جبکہ ترمذی میں تہجد

میں ایک دو رات نہ اٹھنے کا ذکر نہیں صرف وحی میں تاخیر کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آئی ہوں، راوی نے کبھی ایک کو بیان کیا کبھی دوسری کو، اور یہ عورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنہ دیا ام جمیل ابولہب کی بیوی تھی، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے اور تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں، ایک شروع نزول قرآن میں پیش آیا جس کو زمانہ فطرۃ الوحی کہا جاتا ہے، یہ سب سے زیادہ طویل تھا۔

ایک واقعہ تاخیر وحی کا اس وقت پیش آیا جب مشرکین یا یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال فرمایا اور آپ نے بعد میں جواب دینے کا وعدہ فرمایا، مگر انشاء اللہ نہ کہنے کے سبب کچھ روز تک سلسلہ وحی بند رہا اس پر مشرکین نے یہ طعنہ دینا شروع کیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان کو چھوڑ دیا، اسی طرح کا یہ واقعہ ہے جو سورہ ضحیٰ کے نزول کا سبب ہوا، یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں، بلکہ آگے پیچھے بھی ہوسکتے ہیں۔

طبرانی، ابن ابی شیبہ اپنی مسند میں واحدی او ردیگر نے ایک سند سے (روایت کیا ہے) کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی شناخت نہیں ہوسکی ہے، وہ حفص بن سعید قریشی سے روایت کرتا ہے، حفص اپنی ماں سے اور وہ پھر اپنی ماں خولہ سے روایت کرتی ہے جو کہ رسولؐ کی گھر میں ملازمہ تھی یہ کہتی ہے کہ کتے کا ایک بچہ رسولؐ کے گھر میں داخل ہوا اور آپ کے تخت کے نیچے چلا گیا اور وہاں مر گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار دن انتظار کیا وحی نہ آئی، فرمایا: اے خولہ یہ کیا ہو گیا کہ خدا کے رسول کے گھر میں جبرائیل امین نہیں آ رہا؟ میں نے اپنے آپ سے کہا: بہتر ہے کہ گھر کی اچھی چھان بین کر کے اس کی صفائی کروں، جب میں چارپائی کے نیچے جھاڑو دے رہی تھی تو ایک کتے کے بچے کی لاش نکالی جو وہیں مر گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قمیص میں کانپتے ہوئے تشریف لائے، اور جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی تو اس وقت آپ کا جسم مبارک کانپ جاتا، پھر خدائے بزرگ و برتر نے "وَالضُّحٰی... تا... فترضی" نازل فرمائی۔

حافظ ابن حجر نے کہا: جبرئیل کے تاخیر سے آنے کا مسئلہ کتیا کے مردہ بچے سے مشہور ہے، لیکن اس واقعہ کا سبب نزول ہونا غریب بلکہ شاذ اور مردود ہے۔

ابن حجر نے عبداللہ بن شداد سے روایت کیا ہے: کہ خدیجہؓ نے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم سے کہا: میرے خیال میں تیرا رب تجھ سے بیزار ہو گیا ہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح عروہ سے روایت کیا ہے: جبرئیل امین کافی دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے، تو رسول گرامی انتہائی بے چین ہو گئے۔ أم المؤمنین خدیجہؓ نے کہا: میرے خیال میں تیرا رب تجھ سے بیزار ہو گیا ہے، کہ یہ ساری بے صبری آپ کی دیکھی جاسکتی ہے، تو پھر یہ آیت نازل ہو گئی۔ یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور ان کے راوی ثقہ اور سچے ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام جمیل اور خدیجہ دونوں نے یہ جملہ کہا ہے، خدیجہ نے ہمدردی کی بنیاد پر اور ام جمیل نے طنز کے طور پر۔

سورة الضحیٰ کا خلاصہ:

بعض روایات کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی تاخیر اور وقتی انتظار کی وجہ سے پریشان اور بے چین تھے، دشمنوں کی زبانیں بھی دراز ہوئیں، تو یہ سورت نازل ہوئی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر رحمت کی بارش برسی۔

اس سورت کا آغاز دو قسموں کے ساتھ ہوتا ہے، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دیتی ہے کہ پروردگار نے تجھے ہرگز نہیں چھوڑا ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گذشتہ زندگی کو ان کی نظروں میں لاکر بتادیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ ہر قسم کی رحمتوں میں شامل کیا، اور زندگی کے مشکل ترین لمحات میں ان کا ساتھ دیا۔

اس لیے آخری آیتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ (خدائے بزرگ و برتر کی نعمتوں کے شکرانے کے طور پر) یتیموں اور حاجت مندوں کے ساتھ اچھائی اور نرمی کا برتاؤ کریں اور اللہ کی نعمتوں کا اظہار کریں۔

سورة الضحیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحٰی ۱ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۳ وَلَا حِزْبًا لَّكَ مِنَ الْاَوْلٰی ۴
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۵ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاَوْیٰ ۶ اَلَمْ یَجِدْكَ ضَالًّا فَهَدٰی ۷
وَوَجَدَكَ عَابِلًا فَاَعٰی ۸ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تُفْهَر ۹ وَاَمَّا السَّالِیْلَ فَلَا تَنْهَر ۱۰ وَاَمَّا بِرَبِّعَمَرَةٍ
رَبِّكَ فَحَبِّتْ ۱۱

سورت کا مختصر ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالضُّحٰی ۱	چاشت کے وقت کی قسم (جب سورج طلوع ہوتا ہے اور ہر طرف پھیل جاتا ہے) (۱)
وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۲	اور رات کی جب طاری ہو جائے (۲)
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۳	نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (اور نہ دشمن بنایا) (۳)
وَلَا حِزْبًا لَّكَ مِنَ الْاَوْلٰی ۴	اور آخرت (یعنی بعد کی حالت) تمہارے لیے پہلی حالت سے کہیں بہتر ہے (۴)
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۵	اور یقیناً عنقریب تیرا رب تجھے عطا کرے گا، پس تو راضی ہو جائے گا (۵)
اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاَوْیٰ ۶	کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی (۶)
وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی ۷	اور اس نے تجھے راہ حق کی تلاش میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھا دیا (۷)
وَوَجَدَكَ عَابِلًا فَاَعٰی ۸	اور تنگدست پایا تو غنی کر دیا (۸)
فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تُفْهَر ۹	پس تم یتیم پر ستم نہ کرنا (۹)
وَاَمَّا السَّالِیْلَ فَلَا تَنْهَر ۱۰	اور جو مانگتا ہو اس کو مت جھڑک (۱۰)

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کرتے رہنا (۱۱)	وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱
--	---

مختصر تفسیر:

چاشت کے وقت کی قسم (جب سورج طلوع ہوتا ہے اور ہر طرف پھیل جاتا ہے) (۱)	وَالضُّحَىٰ ۝۱
---	----------------

(ضحیٰ کی قسم) ضحیٰ دن کے آغاز میں سورج کے طلوع ہونے کے وقت کا نام ہے، یعنی: دن کے اُجالے کی قسم۔
قسم کی دلیل: اہم خبر کا بیان کرنا، یہ عرب کا اسلوب بیان ہے جو توجہ مبذول کرنے کے لیے ہوتا ہے۔
روشنی اور نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ شرک کے اندھیرے میں ہدایت کا نور ہے۔
یاد رہے کہ: دن کی روشنی اور رات کی تاریکی اور سکون بھی اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتیں ہیں جن کی قسم رب عظیم نے کھائی ہے۔

اور رات کی جب طاری ہو جائے (۲)	وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝۲
--------------------------------	-----------------------------

(قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے) اصمعی کہتے ہیں: "سجوا شب، یعنی دن کا ڈھانپنا ہے، جیسا کہ ایک شخص خود کو کپڑے میں لپیٹتا ہے"
اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ سورت میں رات کو دن پر مقدم کیا تھا جبکہ اس سورت میں مؤخر ذکر کیا ہے، یہ دن اور رات میں سے ہر ایک کی فضیلت پر توجہ دلانے کے لیے ہے، کیونکہ رات کو سبقت میں فضیلت حاصل ہے، اور دن کو روشنی میں، دلیل یہ ہے کہ صرف وقت چاشت اور رات کی قسم کھائی ہے، یہ وقت اور زمانہ کی اہمیت پر توجہ دینا ہے کہ دن اور رات کا آنا جانا اس پر دلالت کرتا ہے، اس نے خاص طور پر چاشت کے وقت کو یاد دلانے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ وقت رات کی تنہائی کے بعد لوگوں کے اکھٹے ہونے اور ایک دوسرے سے ملنے کا ہے۔
ابن عباس فرماتے ہیں: سجدی: یعنی وہ اپنے اندھیرے کے ساتھ واپس آئی، (خازن: ۲۵۸/۴)

مفسرین کی آیت کی تفسیر میں آراء اور نظریات:

- 1 - رات کی قسم جب وہ آرام پکڑ لے۔
- 2 - قسم ہے رات کی جب اس کی تاریکی سب جگہوں کو ڈھانپ لے۔
- 3 - قسم ہے رات کی کیونکہ تمام جگہوں کو سیاہ اور تاریک کر دیتی ہے۔

4 - رات کی قسم کیونکہ یہ لمبی ہے اور عبادت اور نماز کا موقع ہے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝۳	نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (اور نہ دشمن بنایا) (۳)
---------------------------------------	--

یہ جواب قسم ہے کہ: "تیرے رب نے تجھے نہیں چھوڑا" اس آدمی کی طرح جو دوسرے کو الوداع کہتا ہے، پس اس نے تجھ سے وحی منقطع نہیں کی ہے" اور وہ ناراض نہیں ہوا ہے" تجھ پر بغض رکھ کر تجھ سے نفرت نہیں کی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں: "وَالضُّحَىٰ" نور کے معنی میں ہے، یہ نزول وحی سے استعارہ ہے، اور "والیل" کا معنی رات ہے، وحی کا منقطع ہونا مراد ہے، معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر پر غصہ نہیں فرمایا ہے، اس طرح مشرکین کی بات کو رد کیا جو کہتے تھے: کہ خدا نے محمد کو چھوڑ دیا ہے، جواب قسم وہی ہے۔

"مَا وَدَّعَكَ" تجھے نہیں چھوڑا ہے، تجھے چھوڑنے ترک کرنے کو نہیں کہا ہے، "وَدَّعَ" یعنی خدا حافظ کہا، "وَدَّعَكَ" یعنی: تجھے خدا حافظ اور الوداع نہیں کہا۔

"مَا قَلَىٰ" یعنی غصہ نہیں کیا، اور دشمن نہیں بنایا۔

وَلَا حِزْبَ خَيْرَ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝۴	اور آخرت (یعنی بعد کی حالت) تمہارے لیے پہلی حالت سے کہیں بہتر ہے (۴)
--	--

اس مبارک آیت میں درج اہم نکات پر غور کیا جاسکتا ہے۔
سب سے پہلے یہ کہ: کہا گیا کہ آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے۔
دوسرا یہ کہ: گذرے ہوئے وقت سے بہتر اور روشن مستقبل آپ کا منتظر ہے۔
سوم یہ کہ: وحی کا نزول اس وقفے کے بعد پہلے سے بہتر اور آسان حالت میں ہوگا، پہلے آپ کے لیے وحی کا حصول مشکل اور دشوار تھا، لیکن مستقبل میں آپ کو اس سے بہتر اور آسان طریقے سے موصول ہوگی۔
سیرت نگاروں نے لکھا ہے: بعض مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کا حاصل کرنا اتنا دشوار ہوتا تھا کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کے پورے جسم سے پسینہ جاری ہوتا تھا۔

حدیث مبارکہ عبداللہ بن مسعود کی روایت سے مروی ہے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، جس کے کھردرے پن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر نشان چھوڑا تھا، جب نیند سے

بیدار ہوئے تو ان کے پہلو پر میں نے ہاتھ پھیرنا شروع کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمیں اجازت دیں گے کہ اس چھٹائی پر آپ کے لیے کچھ بچھالیں؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مالی و للدنیا، انما مثلی و مثل الدنیا کراکب ظل تحت شجرة ثم راح وترکھا) ترجمہ: "مجھے دنیا سے کیا سروکار، میری اور اس دنیا کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے ٹھہرا، پھر چل پڑا اور اس درخت کو چھوڑ دیا"۔

طبرانی نے "معجم اوسط" میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن شہروں اور ملکوں کو میری امت میرے بعد فتح کرے گی وہ مجھے دکھائے گئے ہیں میں ان کے مشاہدہ سے خوش ہوا ہوں، پھر خدائے بزرگ و برتر نے "وَلَا خِرَّةَ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ" نازل فرمائی، (اس روایت کی سند حسن ہے)۔

حاکم اور بیہقی نے "دلائل النبوة" میں طبرانی اور دوسروں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے: جو ملک، علاقے اور شہر یکے بعد دیگرے مسلمانوں سے مغلوب ہو کر فتح ہونے تھے وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح طور پر دکھائے گئے، جنہیں دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہو گئے۔

اور یقیناً عنقریب تیرا رب تجھے عطا کرے	وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝
گا، پس تو راضی ہو جائے گا (۵)	

«البتہ بہت جلد تیرا رب تجھے عطا کرے گا» دین کے کام میں وسعت، اجر عظیم، جنت میں اعلیٰ علیین، حوض کوثر اور آخر میں اپنی امت کے لیے شفاعت کی نعمت، "پھر تم راضی ہو جاؤ گے" ان اجر اور نعمتوں سے۔

"فَتَرْضَىٰ" رضایت کے مادہ سے ہے، رضا اس حالت کو کہا جاتا ہے کہ انسان

کو اندرونی یعنی دلی طور پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یعنی آپؐ کو شفاعت عطا کریں گے تاکہ آپؐ راضی ہو جائیں، اس لیے ایک روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یاد کر کے فرمایا: میری امت، میری امت، اور رونے لگے، تب اللہ تعالیٰ نے جبرائیل سے کہا: جاؤ محمدؐ کے پاس اور ان سے پوچھو کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے، جبرائیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے پوچھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاملہ کا ذکر فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل سے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: جہاں تک ان کی امت کا

تعلق ہے تو آپ کو ہم راضی کریں گے، ناراض نہیں کریں گے۔ (اخراج از مسلم)

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ہر پیغمبر کی دعا اور درخواست قبول ہوئی ہے، تمام پیغمبروں نے اپنی دعائیں دنیا میں قبول کراوالی ہیں، جبکہ میں نے اپنی درخواست روز قیامت کے لیے اپنی امت کی شفاعت کے لیے رکھی ہے (بخاری، مسلم)

مفسر خازن اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ اس سے آیت کے ظاہر کو مراد لیا جائے تاکہ دنیا اور آخرت کے خیر کو بھی شامل ہو، کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر کامیابی اور غلبہ، پیروکاروں کی کثرت اور بہت زیادہ فتوحات آپ کو عطا کی ہیں، آپ کے دین کو غالب اور کامیاب بنایا، اور آپ کی امت کو بہترین امت قرار دیا، اور آخرت میں شفاعت عام اور مقام محمود وغیرہ آپ کو عطا کی ہیں، (تفسیر خازن: ۴/۲۶۰) (تألیف علی بن محمد بغدادی (م، ۷۲۵ھ) مشہور بہ خازن)

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إِذْ لَا أَرْضِي وَوَاحِدٌ مِنْ أُمَّتِي فِي النَّارِ) پس جب کہ ایسا ہے تو میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک شخص بھی آگ میں ہو۔

آیت مبارکہ کا شان نزول:

اس آیت مبارکہ کا شان نزول پچھلی آیت کے شان نزول کی طرح ہے، ابن عباس روایت کرتے ہیں: وہ ممالک اور علاقے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہاتھوں فتح ہوں گے وہ ایک ایک شہر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیے گئے آپ اس سے خوش ہو گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی: (وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى)۔

جب یہ عظیم نعمت آپ کو دی، اور ساتھ ہی بچپن کی نعمتوں کی آپ کو یاد دہانی کرا دی تاکہ اپنے خدا کا شکر ادا کریں، پس فرمایا:

کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی (۶)	أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝۶
--	-------------------------------------

یعنی: تیرے رب نے تجھے یتیم بغیر باپ کے پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا تاکہ اس میں بسیں اور آباد ہو جائیں، وہ ٹھکانہ تیرے دادا عبدالمطلب اور تیرے چچا ابو طالب کا گھر تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شکم مادر میں

تھے یا ولادت کے بعد اپنے والد کو کھویا تھا، پھر ان کی والدہ آمنہ بنت وہب فوت ہوئی جب آپ کی عمر مبارک چھ سال تھی، اور آپ اٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا عبدالمطلب کے سرپرستی میں رہے، اس کے وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی سرپرستی کی ذمہ داری اٹھائی، آپ کی بعثت کے چند سال بعد ابو طالب بھی چل بسے جو کہ مسلسل آپ کے حامی اور مددگار رہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے سخت دلی کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: اگر نرم دل بننا چاہتے ہو تو یتیم کے سر پر دست شفقت پھیر دو (کفالت کرو)، اور مسکین کو کھانا کھاؤ۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ: "میں اور یتیم کا سرپرست (جنت میں) ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے" اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی والی انگلی سے اشارہ کیا۔

اور اس نے تجھے راہ حق کی تلاش میں سرگرداں پایا تو راستہ دکھا دیا (۷)	وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝
--	-------------------------------

یعنی: اے پیغمبر! حق تعالیٰ نے تجھے ایمان کی پہچان سے لاعلم پایا، اس طرح کہ تجھے معلوم نہیں تھا کہ ایمان کیا ہے اور نبوت میں سے جو کچھ آپ کے لیے ارادہ فرمایا تھا اس سے بے خبر پایا، اور تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے شرائع اور احکام سے بھی بے خبر تھے، پھر تجھے ان سب کی پہچان کرادی، یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس محل پر "ضلال" کو "ہدی" کے مقابل والے معنی میں محمول نہیں کرسکتے، یہاں اس کا معنی شریعت کے احکام کا نہ جاننا اور نبوت کے امور سے بے خبری کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ بیان ہوا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یعنی: بچپن میں مکہ کے وادیوں میں گم ہو گئے تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ جب اپنے چچا کے ساتھ شام جارہے تھے راستے میں گم ہو گئے تھے۔

«ضَالًّا» ضال یہاں حیران کے معنی میں ہے، ایک حد تک درست معنی ہے، یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ عرب جہالت میں مبتلا ہیں آپ کی قوم گمراہی کا شکار ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اللہ کی طرف کیسے رہنمائی کریں، اس وجہ سے حیران و پریشان تھے۔

«فَهَدَىٰ» یعنی: اللہ نے تجھے ہدایت عطا کردی، اس ہدایت کو تیرے اختیار میں

رکھا، تاکہ تو تاریخ بدل ڈالے، تجھے یتیم پایا پھر تیری محتاجیت ختم کر دی، خدیجہ کو آپ کاہمسفر اور شریک حیات بنادیا، (ایک ایسی عورت جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیج دیا، یہ انتہائی اہم اقدام تھا) ایسی ہدایت جس نے تیری پوری شخصیت بدل ڈالی، سورہ نجم میں قرآن کریم کی تعبیر کے مطابق ایسی ہدایت کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی طرح آپ کی شخصیت کو تمام پہلوؤں کا تزکیہ کر کے اور سے منتخب کر کے اس کی تائید کر دی، وہ پیغمبر اسلام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دل، زبان، اخلاق الغرض ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی تائید کر دی ہے۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنِي ۝۸	اور تنگدست پایا تو غنی کر دیا (۸)
----------------------------------	-----------------------------------

اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ نے تجھے غریب، ضرورت مند اور مال و اسباب سے محروم پایا تو آپ کو بے نیاز بنادیا، اس رزق اور روزی کے ذریعے جو ملکوں کے فتوحات کے ذریعے اور کفار کی آدیوں سے دیا، یا تو معنی یہ ہے کہ: تجھے قبل از رسالت سب سے پہلے خدیجہ بنت خویلد کے مال سے تجارت میں مالدار بنادیا، پھر ابوبکر صدیق کے مال کے ساتھ، پھر انصار کے مال کے ساتھ، پھر رسالت کے بعد حصول مالِ غنیمت سے اور پھر ہجرت کے بعد بھی اور آپ کو تھوڑے سے مال سے راضی کر کے قناعت دیکرامیر بھی بنادیا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ: (لیس الغنی عن كثرة العرض ولكن الغنى غنى النفس) ترجمہ: "تو نگری یہ نہیں ہے کہ سامان زیادہ ہو، بلکہ امیری یہ ہے کہ دل غنی ہو"

«فَأَغْنِي»: غنی کے مادہ سے ہے، مراد یہ ہے کہ انسان میں رضامندی جیسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں، کسی چیز یا کسی شخص کی طرف انسان میں محتاجگی کا احساس پیدا نہیں کرتا، بلکہ بے نیاز اور بے پروا بنادیتا ہے، اس پر تین نعمتیں گنواں کر ان کو تین چیزوں کی وصیت کر کے فرماتے ہیں:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹	پس تم یتیم پر ستم نہ کرنا (۹)
---------------------------------------	-------------------------------

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان تمام نعمتوں کے ساتھ کسی یتیم کے مال اور اس کے حقوق پر اس کی کمزوری اور بے کسی کی وجہ سے قبضہ نہ کرو،

بلکہ اُسے اس کا حق دو اور اپنی یتیمی کو یاد کرو۔
بچپن میں اپنے والد یا والدین کو کھونے والے یتیموں کا وجود کسی بھی
معاشرے میں ناگزیر ہے، تمام الہی، ابراہیمی ادیان میں ان بچوں پر توجہ دی
گئی ہے اور اس میں ان کے ساتھ عہد کرنے، ان کے حقوق کی حفاظت اور
ان کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

ہمارے عظیم رب نے ادیان الہی کے پیروکاروں خاص طور پر بنی اسرائیل
کی رہنمائی اس نیکی کی طرف کی ہے: "وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا
اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ" (سورہ بقرہ آیت: ۸۳) ترجمہ: "اور
وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ عبادت نہ کرو (کسی
کی) بجز اللہ کے اور حسن سلوک سے پیش آنا (اپنے) ماں باپ سے اور قرابت
داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی)"

یہ آیت کریمہ متعدد قسم کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کو اہل ایمان کے
ضروری فرائض اور نیک اعمال میں سے قرار دیتی ہے یتیموں کی دیکھ بھال
بھی ہے، کیونکہ اس عہد کی شقیں عام ہیں، بنی اسرائیل کے لیے مختص نہیں
ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کے حقیقی اصول ہیں جو کہ تمام شرائع مقدسہ میں
تھے اور یہ تبدیل نہیں ہوتے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ
لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْهَلَالِ الْكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ" (بقرہ: ۱۷۷) ترجمہ: "نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور
مغرب کی طرف پھیرو اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور
فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لایا اور مال دیا اس کی محبت کے باوجود
قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں کو"

اسی طرح سورہ انعام آیت: ۱۵۲ میں فرماتے ہیں: "وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ" ترجمہ: "اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے
جو سب سے اچھا ہو"

قرآن کریم یتیموں کے بارے میں لوگوں اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری کو
واضح تشریحات کے ساتھ بیان کرتا ہے، یہ مقدس اور آسمانی کتاب یتیموں کی
عزت کرنے اور ان کے ذاتی اور معاشرتی، مادی اور روحانی انفرادی و
اجتماعی امور کی دیکھ بھال کی تاکید کرتی ہے، ان کے دیکھ بھال میں کوتاہی
پر سرزنش بھی کرتی ہے، اور اسے دنیا و آخرت کے عذاب کا سبب قرار دیتی
ہے۔

قرآن مجید کی مختلف آیات میں یتیم افراد کے مادی اور روحانی امور میں بھلائی اور دیکھ بھال کو والدین اور رشتہ داروں کے بعد رکھا ہے، اور اس نیکی کو اخلاقیات کی تعمیر اور بخل، غرور اور اخلاقی فساد کے خلاف جدوجہد اور جنگ کی قرار دیا ہے۔

یتیم:

عرب کی اصطلاح میں یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا والد فوت ہو گیا ہو، بالغ ہونے کے بعد یہ نام اس سے ہٹا دیا جاتا ہے، (لسان العرب، ابن منظور، دار صادر، بیروت، سوم، 1414 ق، ج 12، ص 645) شریعت مقدسہ کے نقطہ نظر سے ایک یتیم بچہ اپنے باپ کی محبت کے سایہ سے محروم ہو کر بہت زیادہ تنہائی اور کمی محسوس کرتا ہے، جس کی تلافی محبت اور دوستی سے کی جاسکتی ہے، مہربان اور رحم دل مائیں کسی حد تک اس کمی کو پورا کرتی ہیں، لیکن اسلام نے ہر ایک کو مکلف کیا ہے کہ اس اہم معاملے میں ماں اور سرپرست کی موجودگی کے صورت میں بھی اس کی مدد کریں، اگر ماں یا سرپرست نہیں ہے تو اسے اپنی حفاظت میں رکھیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کے ساتھ جو ہمدردی اور مہربانی کا برتاؤ کیا وہ ناقابل بیان ہے، اور ان کے حق میں اچھی رہنمائی کی ہے، اور بہت سی ہدایات ان کے حقوق کی تگ و دو اور توجہ کے میدان میں جاری کی ہیں۔

اور جو مانگتا ہو اس کو مت جھڑک (۱۰)

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰

جب بھی کوئی فقیر مسکین اور ضرورت مند تجھ سے مدد کے طور پر کوئی چیز مانگے تو اسے مت جھڑک اور اپنے پاس سے مت بھگاؤ، کیونکہ تم خود بھی فقیر کی حالت میں تھے، پس یا تو اسے خوراک دو یا پھر نرمی سے جواب دو۔

مفسرین حضرات نے اس آیت کریمہ کے دو معنی اور تفسیریں بیان کی ہیں: اگر لفظ سائل مانگنے والے کو حاجتمند شخص اور مدد کے طلبگار کے معنی میں لے لیں تو اس عبارت کا معنی وہی ہے کہ اگر اُس کی مدد کرنے کی استطاعت رکھتے ہو تو مدد کر لو، اگر استطاعت نہیں رکھتے تو اس سے نرمی اور مہربانی کے ساتھ معذرت کر لو، لیکن کسی بھی صورت میں اسے خود سے دور مت بھگاؤ اور مت ڈانٹو، اس معنی کے اعتبار سے یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے جواب میں ہے کہ: "تجھے تنگدست پایا تو بے نیاز بنا دیا"، اور اگر سائل کو سوال کرنے والا، یعنی: وہ جو دین کے مسائل

سے متعلق پوچھتا ہے کے معنی میں لیں تو اس کامعنی یہ ہوگا کہ ایسا شخص جس قدر بھی ناسمجھ اور تہذیب و تربیت سے دور ہو اور ظاہری طور پر اپنی فکری اور ذہنی سوچ کے مطابق جس طرح بھی نادانی کا مظاہرہ کر کے سوال کرے، ہر صورت میں شفقت کے ساتھ اسے جواب دو، اور بدمزاج علم و دانش کے مدعی انسانوں کی طرح اسے تنگ نہ کرو، اور نہ مسترد کرو، اس مفہوم کے لحاظ سے یہ ارشاد بلند مرتبہ خدا کے اس احسان کے جواب میں ہے کہ: "اس نے تجھے راستے سے ناواقف پایا پھر راستہ دکھایا"۔

حضرت ابوالدرداء، حسن بصری، سفیان ثوری اور بعض دیگر علماء اور مفسرین نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ترتیب کلام کے لحاظ سے یہ ارشاد: "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" کے جواب میں آتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کرتے رہنا (۱۱)

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱

اپنے پروردگار کی ان نعمتوں کو بیان کرو جو تم پر مکمل کردی ہیں، خود پر اس کی رحمت کے آثار دکھاؤ، اس کریم اور مَنَّان کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے ان نعمتوں کو یاد کرو، انہیں جھٹلاتے ہوئے اور انکار کرتے ہوئے ان سے چشم پوشی مت کرو۔

مفسر آلوسی فرماتے ہیں: یعنی: تم یتیم تھے راستے سے بے خبر اور بے کس تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اور بے نیاز کر کے ہدایت عطا کردی، پس تو ان تین نعمتوں کو مت بھلاؤ، اور یتیم کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور مانگنے والے پر رحم کرو، کیونکہ تم نے خود یتیمی اور بی کسی کا ذائقہ چکھا ہے، سیدھے رستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرو، جیسا کہ خدانے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے۔ (تفسیر روح المعانی: 164/30)۔

یاد رہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے والد سے میراث میں مال و دولت نہیں بچی تھی، انہوں نے نہ صرف اپنے والد کی سرپرستی سے محروم ہونے کا درد سہاتا، بلکہ چھ (6) سال کی عمر میں وہ اپنی ماں کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے تھے، بلکہ آپ نے اپنی جوانی بھی غربت، فقر اور تنگدستی میں گزاری، لیکن زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ قریش کی امیرترین عورت سے ملاقات ہوئی، اس نے آپ کو پہلی فرصت میں اپنا شریک تجارت بنالیا، اور پھر شادی کی پیشکش کی، اور اس طرح آپ پر غربت سے نکلنے کے راستے کھل گئے۔

"وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" میں یہ بتانا ضروری ہے کہ: "حَدِّثْ" تحدیث سے مشتق ہے، جو کہ بات کرنے کے معنی میں آتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کریں، کیونکہ یہ بھی شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی کسی پر احسان کرے تو اسے محسن کا شکریہ ادا کرنے کا حکم ہے۔

حدیث میں ہے کہ: "جو شخص لوگوں کے احسان اور بھلائی کے مقابلے میں شکریہ نہ کہے یا لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرے گا" (من لایشکر الناس لایشکر اللہ)۔

دوسری حدیث میں ہے کہ: "جس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا جائے، اس کو اس اچھائی کا بدلہ دینے چاہیے، اگر بدلہ چکانے کے قابل کوئی چیز نہ ملے تو دینے والے کی اچھائی کا اعتراف ہی کر دے، جب اعتراف کر دیا تو شکر کا حق ادا کر دیا" (تفسیر مظہری)۔

مسئلہ :

ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے، مال کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس سے کچھ مقدار اللہ کے راستے میں نیت کے اخلاص سے خرچ کرے، اور علم کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اسے دوسروں کو سکھائے پڑھائے، (رواہ البغوی عن جابر بن عبد اللہ مظہری)۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

آیت "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" میں ہمارا عظیم رب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کرو، نعمتوں کو یاد کرنے کا مطلب دوسروں پر برتری حاصل کرنا اور فخر کرنا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب ان نعمتوں کو یاد کرنا ہے جنہوں نے انسان کو شکر گزار بنایا اور مقام عبودیت میں تکمیل بخشی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اگر ایک نعمت چھن جائے تو ہم ان دوسری نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کر پائیں گے جو ہمارے پاس باقی رہیں۔

جو شخص اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے وہ مصیبتوں، سختیوں اور آفات میں مایوسی، ناامیدی، اضطراب اور بے چینی کا شکار نہیں ہوتا، اس کی روح پرسکون اور دل با اعتماد ہوگا۔

لسانی اور عملی

لسانی، وہی زبانی شکر ادا کرنا ہے۔ عملی: کہ انفاق یعنی ضرورت مندوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں مالی تعاون، اور ایسی بخشش جو احسان جتائے بغیر تمام نعمتوں کو شامل ہو جو اللہ

تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں جیسے: مال خرچ کرنا صدقہ جاریہ میں، ایسے نیک کاموں میں لگانا جو باقیات الصالحات میں شامل ہوں، جیسے: مسجد بنانا، مدرسہ بنانا، اچھی اور مفید کتابوں کی نشرو اشاعت وغیرہ، پروردگار عالم کو ہمارے شکر کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر اس نے شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، تو یہ اس لیے ہے کہ ہم تربیت کے اعلیٰ مکتب میں شکر گزاری کے بہترین درجات حاصل کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے نجات، کامیابی اور نعمتوں کے فراوانی کو شکرگزاری میں اور عذاب کو نعمتوں کے ناشکری میں رکھا ہے، بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے (موسیٰ علیہ السلام کے مواعظ کے سلسلے میں) اور ایک مستقل جملے میں مسلمانوں کو (دونوں باتیں قرآن کی تفاسیر میں آئی ہیں، البتہ ان کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے) فرماتا ہے: "لَيْنِ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَيْنِ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" ○ "ترجمہ: اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب سخت ہے)۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ پروردگار عالم کو ہماری شکر گزاری کی ضرورت نہیں ہے، اگر ہمیں شکر کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ ہم تربیت کے اعلیٰ مکتب میں شکر گزاری کے درجات حاصل کر لیں۔

شکر کیا ہے؟

لغت میں شکر کا مطلب: ذہن میں نعمتوں کا تصور کرنا اور قول و فعل سے اس کا اظہار کرنا ہے، دل، زبان اور عمل سے شکر ادا کرنا، اسلامی روایات میں یہی معنی آیا ہے۔

اسلام اور شکر

اللہ کی تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر ادا کرنا انسان کی اہم خصوصیات میں سے ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں جنہیں شمار کرنا ممکن نہیں، لیکن انسان اگر یہی جان لے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے وجود میں اس روش کی نشو و نما کا باعث بنے گا، شکر گزاری کے درجات ہیں، شکرگزاری دل، روح اور دماغ کے گہرائیوں سے اور جو کچھ اسے عطاء کیا گیا ہے، اس کا اظہار زبان سے کرنا اور منعم کی تعریف کرنا، جبکہ جوارح اور اعضاء سے شکر ادا کرنا یہ ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو ان معاملات اور امور میں جن میں اللہ کی رضا ہو بہترین طریقے سے استعمال کرے۔

قرآن کریم میں "70" سے زیادہ آیات میں، خدا اور انسانوں کی طرف سے کیے جانے والے شکر گزاری کی قدردانی کا ذکر ہوا ہے، اور اس نیک کام کو مختلف عنوانات کے تحت انجام دینے کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح بہت

سی روایات میں بھی اس کا حکم دیا گیا ہے، قرآن میں ہے -
اللہ اور والدین کا شکر

"وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصْلُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ
 إِلَىٰ الْمَصِيرِ" ۱۳۰ « ترجمہ »: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں
 تاکید کی ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے
 اٹھائے، اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کر اور
 اپنے ماں باپ کا، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

شکر کے مراحل

خدا تعالیٰ کی وسیع اور لامحدود نعمتوں کا شکر تین مراحل میں ادا کیا جاتا ہے:
 (دل کا شکر، زبان کا شکر اور عملی شکر).

دل کا شکر

اس کا مطلب یہ ہے کہ شکر گزار دل ہمیشہ اللہ کی نعمتوں اور بخششوں کو
 یاد کرتا ہے، اللہ کی تعظیم کرتا ہے اور اس کے آگے جھکتا ہے، اور اس کی
 عظمت کے سامنے خود کو چھوٹا سمجھ کر محتاجی کا اظہار کرتا ہے، خدا
 کے عظیم کاموں، مختلف مخلوقات اور اس کے بندوں کو خیر پہنچانے کے
 بارے میں غور و فکر کر کے اپنی حیرت کا اظہار کرتا ہے، اور اس طرح اس
 کی عاجزی بڑھتی ہے۔

زبان کا شکر ادا کرنا

زبانی تشکر کا یہ معنی ہے کہ: شکر گزار شخص نعمت دینے والے کی حمد
 وثناء کرتا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس کی تعریف کرتا ہے، اسی
 طرح نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے دائرے میں بھی وہ
 دوسروں کو اس کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے۔

عملی طور پر شکر کرنا

شکر کا تیسرا مرحلہ عملی شکر ہے، عملی تشکر یہ ہے کہ نعمت دینے والے
 کے سامنے عمل سے شکر کا اظہار کرے، یعنی نعمت حاصل کرنے والا
 کوشش کرے کہ خدا کی نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے،
 بلکہ ان نعمتوں کو اللہ کی اطاعت اور عبادت کا ذریعہ بنائے۔

شکر ادا کرنے کی ترغیب

اسلام کا مقدس دین شکر ادا کرنے کا حکم اور اس کی ترغیب دیتا ہے اور
 شکر گزار افراد کی تعریف کرتا ہے، قرآن کریم فرماتا ہے: اے لوگو جو ایمان
 لائے! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ
 کا شکر کرو، اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو، اور مزید فرمایا ہے:
 "اور جو آخرت کا بدلہ چاہے اسے اس میں سے دیں گے اور ہم شکر کرنے

والوں کو جلد جزا دیں گے۔"

کفران نعمت

کفران نعمت کا مطلب نعمتوں کو چھپانا اور نظر انداز کرنا ہے، اگرچہ خدا تعالیٰ ہماری شکرگزاری اور عبادت کا محتاج نہیں ہے، لیکن حکمت اور مصلحت کے اعتبار سے بندوں پر عبادت کو فرض قرار دیا ہے، قرآن کریم میں شکر گزاروں کو خوش خبری سنانے کے بعد فرماتا ہے: جو شخص شکر گزار بنتا ہے اس کا شکر گزار بننا اس کے فائدے میں ہے، اور جو ناشکری کرے تو خدا بے نیاز اور تعریفونوالا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ نعمت حاصل کرنے والوں کے شکر کا محتاج نہیں ہے، اور اس بات سے بہت اوپر اور عظیم تر ہے کہ ناشکروں کو محروم کرے، لیکن کفران نعمت اور ناشکری خود کچھ مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہے جیسے:

1 - پستی

ایک ناشکرا شخص اپنی کمتری اور نا اہلی کا ثبوت دیتا ہے، کیونکہ انسانی عقل اور ضمیر کا تقاضا ہے کہ نعمت پانے والے شخص کو شکر گزار ہونا چاہیے، عقل اور ضمیر کو پیروں تلے روندنا ان لوگوں کا وتیرہ ہے جو کمتری اور بے وقعتی میں حیوانیت کے درجے پر پہنچ چکے ہیں، بلکہ اس سے بھی پست ہو گئے ہیں۔

2 - نعمت کا زوال

کفران نعمت، نعمتوں کے زوال اور عدم استحکام کا سبب بنتا ہے، اور نیکیوں اور برکتوں کا خاتمہ کرتا ہے، اس کے برعکس شکرگزاری ان نعمتوں کی بقا کا سبب ہے۔

3 - احسان اور نیکی میں کمی

ناشکری کا ایک اور اثر معاشرے سے نیکی اور احسان کا ختم ہونا ہے، کیونکہ ناشکری سخاوت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرتی ہے اور انہیں دینے سے روکتی ہے، خدا کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اگر بندوں نے ناشکری کی تو اپنے فضل اور احسان میں کمی کرتا ہے۔

4 - فوری سزا

ناشکری کا ایک اور منفی اثر، نعمت کی ناشکری کرنے والے کی اذیت اور عذاب میں جلدی کرنا۔

5 - دوزخ جانا

سب سے آخری اثر جو ناشکرے بندے پر اپنے کیے سے ہوتا ہے، وہ جلانے والے دوزخ میں جانا ہے، کیونکہ وہ خدا کی نعمتوں کو چھپا کر اور بندوں کی مہربانیوں کو نظر انداز کر کے خدا کے راستے ہٹ جاتا ہے، اور وہ ظلم کے راستے پر قدم رکھتا ہے جس کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں ہوگا،

یہی وہ انجام ہے جو قرآن نے انہیں دکھایا ہے: "الَّذِينَ كَفَرُوا يَكُونُوا عَمَلًا كُفْرًا
وَأَحْلُوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۚ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَيَبْسُ الْقُرْآنُ ۚ" (سورہ ابراہیم:
28) ترجمہ: "کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ
کی نعمت کو کفر سے بدل دیا، اور اپنی قوم کو لا اتارا تباہی کے گھر میں،
یعنی جہنم، جس میں وہ داخل ہوں گے وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔"

وحی کیا ہے؟

وحی کی تعریف: ابن ابی حاتم نے عقیل کے ذریعے زہری سے روایت کیا
ہے کہ ان سے وحی کے بارے میں پوچھا گیا: جو اب میں کہا: وحی وہی
ہے جسے خدا اپنے رسولوں پر بھیجتا ہے، اور پیغمبر کے دل میں محفوظ
رکھتا ہے، پھر وہ رسول اس سے بولتے، اور اسے لکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ
کا کلام ہے، اور پیغمبر کی وحی کا ایک اور حصہ کہ اس سے وہ نہیں
بولتا، وہ اسے کسی کے لیے نہیں لکھتا اور اس کے لکھنے پر مأمور بھی
نہیں ہے، لیکن وہ اسے ایک حدیث کی صورت میں لوگوں کے سامنے بیان
کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیان کرے اور ان کو
تبلیغ کرے، (ترجمہ الاتقان فی علوم القرآن جلال الدین عبدالرحمن سیوطی).

وحی کیا ہے اور کن لوگوں پر ہوتی ہے اس بارے میں علماء فرماتے ہیں:
لفظ وحی کے عربی میں متعدد معانی ہیں، جنہیں قرآن کریم نے مختلف مقامات
پر بیان کیا ہے:

1- غریزی الہام جانور کے لیے، جیسے شہد کی مکھی کے لیے الہام: «وَأَوْحَى

رُبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۗ» (سورہ نحل:

68)

ترجمہ: «اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی (الہام غریزی)
کی کہ کچھ پہاڑوں میں سے گھر بنا اور کچھ درختوں میں سے اور کچھ اس
میں سے جو لوگ چھپر بناتے ہیں».

اس وحی سے مراد الہام غریزی ہے، یعنی: تیرے رب نے شہد کی مکھی کی
طرف وحی بھیجی، شہد کی مکھیاں اپنی فطرت کے مطابق گھر تیار کرتی
ہیں، اور اس فطرت کو خدا نے ان کے وجود میں ڈالا ہے اور وہی غریزی
الہام ہے۔

2- فطری الہام انسان کے لیے -

3- فوری اشارہ خفیہ لفظ کے ساتھ، جیسے زکریا علیہ السلام کا اشارہ: «فَنَجَّحَ

عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْبَحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۗ» (سورہ مریم: 11)

ترجمہ: (تو وہ عبادت خانے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے، پس انہیں اشارے سے کہا کہ (اس تحفے کے شکرانے کے طور پر) صبح وشام (خدا کو یاد کرتے رہو) یعنی: یہ مطلب اشارے سے ان کو سمجھایا، زبان سے کچھ نہ کیا یہاں وحی بمعنی اشارہ ہے۔

4 - شیطان کا وسوسہ انسانی نفس پر:

"وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيَجْأِدُوْكُمْ ۝ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝۱۲۱" (سورہ انعام: 121) ترجمہ: "اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اگر تم نے ان کا کھنا مان لیا تو بلاشبہ تم یقیناً مشرک ہو۔"

پس لغت عرب میں وحی کے مذکورہ بالا تمام معانی ہیں، لیکن یہاں ہم جو چاہتے ہیں، وہ اس کا اصطلاحی معنی ہے، وحی کے اصطلاحی معنی سے مراد، انبیاء کے ساتھ خدا کا رابطہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ہوتا ہے، وحی اپنے اصطلاحی معنی کے ساتھ صرف فرشتوں اور خدا کے پیغمبروں کے لیے مخصوص ہے، فرشتوں پر وحی کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "إِذْ

يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۝ سَأَلْتِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَأَصْرَبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاصْرَبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝۱۲" (سورہ انفال: 12) ترجمہ: "اور (یاد رکھو) جب تیرا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ان لوگوں کو جمائے رکھو جو ایمان لائے ہیں، عنقریب میں ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا، رعب ڈال دوں گا، پس ان کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر ہر پر پر ضرب لگاؤ"

اللہ کا انبیاء پر نزول وحی کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۝ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۝۱۲۳" (سورہ نساء: 163).

ترجمہ: "(اے محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو بھی وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور عنایت کی تھی۔"

اس لیے صرف فرشتوں، انبیاء اور پیغمبروں پر وحی ہوتی ہے، قرآن اور حدیث میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ وحی -اپنی اصطلاحی تعریف

کے ساتھ۔ فرشتے اور انبیاء کے علاوہ کسی اور پر ہوتی ہو، انبیاء پر وحی کے طریقے بھی مختلف ہیں۔

وحی کی زبان

ابن ابی حاتم نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: کوئی بھی وحی بغیر عربی کے نازل نہیں ہوئی ہے، بلکہ ہر پیغمبر نے اسے اپنی قوم کے لیے ترجمہ کیا ہے۔

نزول وحی کے وقت پیغمبر اسلام کی حالت

نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ابن سعد کی ایک حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یوں بیان ہوئی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی آتی تھی تو اپنا سر ڈھانپ لیا کرتے تھے، آپ کا رنگ بدل جاتا تھا، آپ کو اپنے دانتوں میں ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پسینہ آتا تھا کہ آپ کے چہرے سے موتیوں کی طرح نیچے ٹپکنے لگتا تھا۔

وحی کے مختلف طریقے

قرآن کریم سورہ شوری آیت: "51" میں انبیاء علیہم السلام پر وحی کے تین طریقے بیان ہوئے ہیں: "وَمَا كَانَ لَبَشِيرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسَلُ رَسُولًا فَيُوحِي بِلَاذُنِهِ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّهِمٍّ ۝" اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے القا کرے، بیشک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے۔

یہاں وحی سے مراد اس کا اصطلاحی معنی نہیں ہے، بلکہ اس کے لغوی معانی میں سے ایک معنی مقصود ہے، کہ آیت میں لفظ وحی کو خواب دیکھنے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس آیت کریمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور رسولوں کے ساتھ تین طریقوں سے بات کرتا ہے:

- 1- اچھے خوابوں کے ذریعے۔
- 2- پردے کے پیچھے سے بولنے کے ذریعے۔
- 3- فرشتوں کے ذریعے یعنی وحی لانے والے فرشتوں کے ذریعے وحی بھیج کر۔

اگر یہ کھاجائے کہ: "ہر پیغمبر کے لیے وحی کا طریقہ مختلف ہے" تو یہ بات سو فیصد درست نہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے صرف ان تین طریقوں سے رابطہ قائم کرتا ہے، یہ بھی ممکن ہے ایک نبی ان تینوں طریقوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں ہو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ممکن ہے دوسرا پیغمبر صرف دو طریقوں

(اچھے خواب اور فرشتے کے ذریعے) سے رابطہ میں ہو، پس ممکن ہے ایک پیغمبر دوسرے کے ساتھ وحی کے طریقوں میں مشترک ہو۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام پر دو طریقے سے (اچھے خواب اور بذریعہ فرشتہ) وحی ہونی تھی، جیسا کہ اچھے خواب کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اس کی تائید کرتی ہے:

1 - ابراہیم علیہ السلام پر وحی خواب کے ذریعے: "رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۰۰"

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝۱۰۱ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤُا إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَأْمُرُ ۝ قَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۝ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝۱۰۲ فَلَمَّا أَسْلَمْنَا وَتَلَّ لِلْجَبِينِ ۝۱۰۳ فَلَمَّا أَسْلَمْنَا وَتَلَّ لِلْجَبِينِ ۝۱۰۳ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا اِبْرَاهِيمُ ۝۱۰۴ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۝ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۱۰۵ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝۱۰۶ وَفَدَيْنَاهُ بِذُبْحٍ عَظِيمٍ ۝۱۰۷ وَفَدَيْنَاهُ بِذُبْحٍ عَظِيمٍ ۝۱۰۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝۱۰۸ سَلَّمْ عَلَىٰ اِبْرَاهِيمَ ۝۱۰۹ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۱۱۰ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱۱ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۱۲" (سورہ صافات: 100 تا 112) ترجمہ: اے پروردگار

مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو) تو ہم نے انکو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی، جب وہ انکے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے، خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے، جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹادیا، تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلادیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی، اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا، اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا، کہ ابراہیم پر سلام ہو، نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلادیا کرتے ہیں، وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے، اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) بنی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہونگے)۔

2 - اسی طرح ابراہیم علیہ السلام پر فرشتے کے ذریعے بھی وحی نازل ہوئی:

"وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۝ قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ

بِعِجْلِ حَنِيذٍ ۝۶۹" (سورہ ہود: 69)۔

ترجمہ: " اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا، انہوں نے (جواب میں) سلام کہا! ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ "

لیکن خدا کا پردے کے پیچھے سے نبی کے ساتھ بات کرنا صرف موسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے: "وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِبَيْعَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۝ قَالَ رَبِّ ارِنِّي ۝ أَنْظُرِ إِلَيْكَ ۝ قَالَ لَنْ تَرِيَنِي وَلَكِنِ انْظُرِ إِلَى الْجَبَلِ " (سورہ اعراف: 143).

ترجمہ: "اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا اور لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔ " اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ معراج کی رات خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اچھے خواب اور ارسال فرشتے کے ذریعے بھی وحی نازل ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تین طریقوں کے ساتھ اپنے انبیاء سے رابطے میں ہوتا تھا، اس دوران (پردے کے پیچھے سے) کلام کرنے کی کچھ قسمیں صرف اللہ کے دو نبی کے لیے تھیں، جبکہ اکثر پیغمبر اس دوسری دو قسم (رؤیا صالحہ اور ارسال فرشتہ) میں مشترک تھے، ایسا نہیں تھا کہ ہر پیغمبر کے لیے ایک مخصوص طریقے سے وحی کی گئی ہو۔

شہد کی مکھی کو وحی کی حکمت

شہد کی مکھی کو وحی کی حکمت کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "وَأَوْحِي رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝۶۸" (سورہ نحل: 68).

وحی سے مراد اس مقام پر اس کا شرعی معنی نہیں ہے، بلکہ اس کے لغوی معانی میں سے ایک معنی مقصود ہے جو کہ الہام ہے، کیونکہ وحی کے متعدد معانی ہیں ان میں سے: الہام غریزی یا فطری الہام، اشارہ کرنا، اور شیطان کا وسوسہ بھی وحی کی ایک قسم ہے جو کہ شیطان کی طرف انسان پر اس کا القاء ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: "وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُوحِيَنَّ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۝ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝۱۲۱" (سورہ انعام: 121)

ترجمہ: اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم لوگ ان کے کہے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے۔

مذکورہ بالا سورہ نحل کی آیت : "68" میں وحی بہ معنی " الہام " کے ہے ، اور وہ غریزی الہام میں سے ہے ، یعنی اللہ تعالیٰ شہد کی مکھی پر الہام کیا جس کے ذریعے اس مکھی نے ایسے حیرت انگیز اعمال پیش کیے کہ ان سے بشر کے عقلا بھی عاجز ہیں، وہ ان کی فطرت اور جبلت میں رکھا، کیونکہ شہد کی مکھی کی زندگی میں ایسا قطعی اور حیران کن معاشرتی اور تعاون پر مبنی نظام ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو حیرت اور تعجب میں ڈال دیا ہے ، شہد کی مکھیاں اس قدرتی الہام کی روشنی میں کام کرتی ہیں جو خالق نے ان میں ودیعت کر رکھا ہے؛ الہام بھی وحی کی ایک قسم ہے کہ شہد کی مکھیاں اس کے مطابق کام کرتی ہیں، شہد کی مکھیاں اپنی فطرت کے مطابق اپنا گھر تیار کرتی ہیں اور یہ فطرت اللہ تعالیٰ نے ان میں ڈالی ہے جو کہ ایک فطری الہام ہے ، جیسا کہ انسان بھی اپنے بعض کام فطری طور پر انجام دیتے ہیں۔

اور بعض کاموں کو انجام دینے کے لیے انبیاء کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے ، تاکہ سیدھی سمت پر راہ پائیں، خدائے بزرگ و برتر نے اپنے برگزیدہ لوگوں کو وحی کے ذریعے بتایا کہ وہ ان ہدایات کو لوگوں میں پھیلا دیں، خدا کے آخری پیامبر اور اس کی کتاب قرآن کریم کے آنے کے بعد وہ رسالت مکمل ہوئی، اور وحی کے نزول کی ضرورت نہیں رہی چنانچہ یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ۔

غیر اللہ کی قسم

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا یا اللہ کے اسماء و صفات کے علاوہ کی قسم کھانا حرام ہے ، اور اسے شرک اصغر میں شمار کیا جاتا ہے ، حتیٰ کہ اگر کسی نے تعظیم کی غرض سے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوگا۔

اس بارے میں ایک حدیث بنی ﷺ سے مروی ہے فرمایا: " مَنْ حَلَفَ بِشَيْءٍ فَقَدْ أَشْرَكَ " (ترمذی : 1535) ترجمہ: جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے یقیناً شرک کیا" کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

لہذا ہم مسلمانوں کو یا تو قسم نہیں کھانی چاہیے ، یا اگر قسم کھانا ضروری ہو تو یہ صرف اللہ کی یا اس کے اسماء و صفات میں سے کسی ایک کی ہو، مثلاً اللہ کے کلام کی قسم کھانا درست ہے ، کیونکہ کلام اللہ کی صفت ہے۔

البتہ خدا اپنی مخلوق کی قسم کھا سکتا ہے ، جیسا کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے: «وَالشَّمْسُ وَخُضْرُهَا ۝ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا ۝ وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا ۝ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَّهَا ۝ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ » (سورہ شمس : 1-6)۔ ترجمہ:

آفتاب کی روشنی کی قسم (۱) اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے (۲) اور قسم ہے دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کر دے! (۳) اور قسم ہے رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے (۴) اور آسمان اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا (۵) اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا (۶) اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا (۷)۔

ان آیات اور بہت سی دوسری آیات میں اللہ نے سورج، چاند، رات، دن وغیرہ کی قسم کھائی ہے، اور معلوم ہونا چاہیے کہ (فجر، شمس، لیل، وتر وغیرہ) کی قسمیں کھانا صرف خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اور ہم انسانوں کو حق نہیں ہے کہ ہم ان چیزوں کے قسم کھائیں، کیونکہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ آپ کے کسی صحابی نے سورج، صبح، رات، یا موسم کی قسم کھائی ہے، اگر جائز ہوتی تو ان چیزوں کی قسم کھائی ہوتی۔

لیکن خدا تعالیٰ جس چیز کی چاہتا ہے قسم کھا تاہے، اور خدا کی ان قسموں کا مقصد اس کی نعمتوں کو یاد دلانا ہے، جیسے: سورج، رات، دن، پہاڑ وغیرہ جو اس نے انسانوں کے لیے بنائے ہیں، اور خدا تعالیٰ ان نعمتوں کی قسم کھا کر ہمیں ان کی یاد دلانا چاہتا ہے، تو اس لحاظ سے صرف ان نعمتوں کا خالق (یعنی خدا) ہی ان کی قسم کھا سکتا ہے، نہ کہ ہم انسان جو کہ خود مخلوق ہیں، اس لیے ہمیں ان کی قسم نہیں کھانی چاہیے، کیونکہ یہ صرف خدا کے لیے خاص ہے جو اپنی مخلوق کی قسم کھا کر ہمیں ان نعمتوں کی یاد دلاتا ہے، اور اگر خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے منع کرنے کے بجائے ان آیات کا حوالہ دیتے ہوئے جن میں خدا نے اپنی مخلوق کی قسم کھائی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کے جائز ہونے کا حکم دیتے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَلَا إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ

كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُحَّتْ" بخاری (2679) - مسلم (1646) " ترجمہ:

جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے باب دادا کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، لہذا جو کوئی قسم اٹھا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

ایک اور روایت میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ إِلَّا بِاللَّهِ" (جو قسم کھانا چاہتا ہے وہ صرف اللہ کے نام کی قسم کھائے)۔

راوی کہتے ہیں کہ: قریش اپنے باپ دادا کے نام کی قسم کھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ " (بخاری (3836) مسلم (1646) ترجمہ: اپنے باپ دادا کے نام کی قسم نہ کھاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ فَلْيُقْل: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. وَمَنْ قَالَ لِأَخِيهِ تَعَالَ أَقَامِرِكَ فَلْيَتَصَدَّقْ " (رواہ مسلم و غیرہ) ترجمہ: تم میں سے جس نے حلف اٹھایا اور اپنے حلف میں کہا: لات اور عُزَّىٰ کی قسم! تو وہ "لا إله إلا الله" پڑھے، اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا: اؤ جواکھیلیں تو وہ صدقہ کرے۔ (بخاری (4860) مسلم (1648)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لات و عُزَّىٰ کی قسم کھانے والے مسلمان کو "لا إله إلا الله" کہنے کا حکم دیا ہے (یعنی تجدید ایمان کرے) کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھا نا توحید کی تکمیل کے منافی ہے، ایسا کرتے ہوئے اس قسم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے تعظیمًا جھک گیا۔

مختصر یہ کہ اگر قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے چاند، سورج، زمین، آسمان اور دیگر مخلوق کی قسم کھائی تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ جو تمام جہانوں کا رب اور خالق ہے اپنی مخلوق کی قسم کھا سکتا ہے، لیکن ایک مخلوق کے لیے دوسری مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں، صرف خدا تعالیٰ یا اس کے اسماء و صفات اور کلام پر قسم کھائے مثلاً کہے: "والله" یا "الله کے کلام کی قسم" وغیرہ۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**